اسلام کا نظامِ امن و امان

قتلِ خطا اور اس کی روک تھام

(۲)

(از:- مولانا محمد ظفیر الدین صاحب دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

عوضِ مالی پوری دیت سو اونٹ ہے، زخم کے کم و بیش کے اعتبار سے کسی زخم میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور کسی میں نصف، اور کسی میں اس سے بھی کم، حدیث میں تفصیل جو مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ سونا یا چاندی جو دیت میں بیان کی گئی ہے، وہ اس زمانہ میں سو اونٹ کی ہی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی، ورنہ دراصل دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے[1] لیکن فقہاء نے متعین کر دیا ہے، کہ دیت اگر اونٹ سے دے، تو سو اونٹ ہے، اور سونے سے دے، تو ایک ہزار اشرفی ہے، اور چاندی سے ادا کرے تو دس ہزار درہم ہے اور گائے بیل سے دے، تو دو سو گائے بیل ہے، بکری سے ادا کرنا چاہے تو ایک ہزار بکری ہے اور جوڑے سے ادا کرنا چاہے تو دو سو جوڑے ہیں، اس طرح کہ ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں ازار اور چادر، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں۔

ومن العین الف دینار ومن الورق	سونے سے دیت ہزار دینار ہے اور چاندی سے
عشرۃ آلاف درھم ...... وقالا	دس ہزار درہم ...... اور صاحبین نے کہا ان چیزوں
منھا ومن البقر مأتا بقرۃ ومن الغنم	سے بھی اور گائے سے دو سو گائے اور بکری
الف شاۃ ومن الحلل مأتا حلۃ کل	سے ایک ہزار بکری اور جوڑوں سے دو سو جوڑے
حلۃ ثوبان (تبیین کتاب الدیات)	کہ ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں

---

[1] دیکھئے نصب الرایہ ص۱۷

ایک انگلی کا عوض مالی

جانور کو اگر نظر انداز کیا جائے کہ اس کی قیمت مختلف ہوتی ہے اور صرف چاندی جس کو ثمن کا درجہ حاصل ہے اسے پیش نظر رکھا جائے، اور انسانی اعضاء کی قیمت لگائی جائے تو ایک انگلی کی قیمت (خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی) جو جرم پر عائد کی گئی ہے سو اشرفی یا ایک ہزار درہم ہوگی۔ سو اشرفی کی قیمت آج کل کے سکے کے اعتبار سے بہت کافی ہوگی، اس لئے کہ سونا کافی گراں ہے۔ رہا درہم تو ایک ہزار درہم کی قیمت بھی کم از کم پانسو روپے ہوگی۔

عوض مالی حکومت کے بجائے زخمی کو

پھر یہ روپے حکومت کے خزانے میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ یہ مجروح کو ملیں گے۔ دیت کی رقم اسلام خواہ جان کی ہو خواہ عضو کی، مجروح یا مقتول کے ورثہ یا خود اس کو دلاتا ہے۔

مخصوص اعضاء کی قیمت جان کے برابر متعین کرنے کی وجہ

مخصوص اعضاء میں سے ہر ایک کی قیمت جان کے برابر رکھی ہے، کہ اس کے نقصان سے آدمی کے جمال و کمال میں بڑا فرق آجاتا ہے اور آدمی کی عظمت کا تقاضا بھی ہے کہ اس کے مخصوص اعضاء کو اہمیت دی جائے۔

والاصل فی الاطراف انہ اذا فوت جنس منفعۃ علی الکمال او ازال جمالا مقصودا فی الآدمی علی الکمال یجب کل الدیۃ لاتلافہ النفس من وجہ وھو ملحق بالاتلاف من کل وجہ تعظیما للآدمی

(فتح القدیر مکشوری ج ۴ ص ۲۲۳)

اور اعضاء اصل یہ ہے کہ جب اس کی جنس منفعت بالکل ختم کر دی گئی اور اس موزونیت اور خوبصورتی کا بالکلیہ ازالہ کر دیا گیا جو آدمی میں مقصود ہے، تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوگی کہ جان کا ضائع کرنا خواہ کسی اعتبار سے ہو، آدمی کی تعظیم کے پیش نظر پورے کے حکم میں ہے۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخصوص مفاد کی یہ تشریح بیان فرمائی ہے اگر اسلام کی بیان کردہ سزا نافذ کر دی جائے تو غیر ممکن ہے کہ قتل و خون اور ظلم و جبر کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند نہ ہو جائے، اور امن و امان پورے طور پر قائم نہ ہو جائے۔

قوانین دیگر ادیان | اسلامی قانون کی بقدرِ ضرورت تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ غرض یہ تھا کہ یہ قانون افراط و تفریط سے پاک اور معتدل ہے، اس میں نہ موسوی قانون کی سختی ہے اور نہ عیسوی قانون کی سی ضرورت سے زیادہ نرمی۔

موسوی قانون | موسوی قانون کا ایک حصہ آپ ضمنی طور پر پڑھ چکے ہیں جس کی طرف قرآن پاک میں اشارہ کیا گیا ہے، بقدرِ ضرورت تفصیل یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

"اور وہ جو انسان کو مار ڈالے، سو مار ڈالا جائے گا ...... اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کرے گا، ویسا ہی پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کو نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے" (پرانا عہد نامہ کتاب احبار، باب ۲۴) "جو کوئی کسی کو مارے اور وہ مر جائے، تو وہ البتہ قتل کیا جائے" (ایضاً کتاب الخروج باب ۲۱/۱۲) ...... اور اگر وہ اس صدمے سے ہلاک ہو جائے، تو تو جان کے بدلے جان لے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے بدلے جلانا، زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ (ایضاً) "تو تم اس سے وہ سلوک کیجو جو اس نے چاہا تھا کہ اپنے بھائی سے کرے، تو اس طرح برائی کو اپنے درمیان سے دفع کیجو تا کہ باقی لوگ سنیں اور دہشت کھائیں، اور آگے کو تمہارے درمیان ایسی شرارت پھر نہ کریں، اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا" (پرانا عہد نامہ کتاب استثنا، باب ۱۹، آیات ۱۹-۲۰-۲۱)

عیسوی قانون | اب اس کے مقابلے میں عیسوی قانون ملاحظہ کریں کہ کس طرح اس کے بالکل ضد ہے۔ "تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لے تو چغہ بھی

یعنی ۔۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا
جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے۔" (نیا عہد نامہ متی کی انجیل باب ۵)

اسلامی قانون کا موازنہ | خلاصہ یہ ہوا

(۱) توریت جو مذکورہ تینوں کتابوں میں سب سے پہلے کی ہے تشدد اور قتل کے جواب میں تشدد اور قتل کو لازم قرار دیتی ہے اور تاکید کرتی ہے "تیری آنکھ مروت نہ کرے" اور ظالم کو معافی نہ دے۔

(۲) انجیل جو توراۃ کے بعد کی کتاب ہے، اس میں تشدد اور قتل کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے خواہ کچھ ہو جائے، ہر صورت میں عفو و درگذر سے کام لینے کا حکم کیا گیا ہے، اور قاتل اور مجرم کو آزادی بخشی گئی ہے۔

(۳) قرآن پاک جو سب سے آخری کتاب ہے، تشدد کے جواب میں تشدد کو لازم قرار دیتی ہے مگر ساتھ ہی عفو و درگذر کی بھی اجازت دیتی ہے، گویا موسوی قانون میں قصاص ہے، اور عفو بالکل نہیں، عیسوی قانون میں صرف عفو ہی عفو ہے قصاص نہیں، اور اسلامی قانون میں قصاص بھی ہے، اور عفو و درگذر کی اجازت بھی۔

سختی و نرمی کے درمیان اعتدال کی راہ | موسوی قانون ایک انتہا پر تھا اور عیسوی دوسری انتہا پر، اور اسلامی قانون دونوں کے بیچوں بیچ معتدل اور درمیانہ، نہ موسوی قانون کی طرح بلا کی سختی کہ جس سے انسان گھبرا اٹھے، اور نہ عیسوی قانون کی سی ضرورت سے زیادہ نرمی کہ مجرم شیر بن جائے، اور ملک کا امن و اماں غارت ہو جائے۔

توراۃ کے احکام کو عوام سراہ سکتے ہیں اور یہ ان کا دستور العمل بن سکتے ہیں، انجیل کے احکام صرف خواص الخواص کا حصہ ہو سکتے ہیں، اور وہی اس پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کے احکام ایسے روشن مینار ہیں، جو ہر شخص کے لئے قابلِ قبول ہو سکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو، خواہ خواص سے

قانون کی ہمہ گیری | اور یقین کیجیے کہ امن و امان ایسے ہی قانون سے قائم ہو سکتا ہے جس میں سب جذبات کی رعایت ہو، جو مجرم کے حق کو نظر انداز نہ کرتا ہو، نہ وارثانِ مقتول کے جذباتِ عفو و انتقام سے چشم پوشی کرتا ہو

اور نہ ملک وقوم اور مقتول کے تعلقات کو پس پشت ڈالتا ہو جس میں عوام کے جوش اور جذبۂ انتقام کا بھی لحاظ ہو، اور ساتھ ہی خواص کی دور اندیشی اور باریک بینی کا بھی پاس ہو جس سے عجلت پسند بھی مطمئن ہو جائے اور دور اندیش کی بھی تسکینِ خاطر میں کوئی کسر باقی نہ رہے، اور اسی طرح نہ حکومت کے اختیار کو بھی ٹھیس لگے اور نہ وارثانِ مقتول کے اختیار کا مسئلہ مخدوش ہونے پائے۔

اسلامی قانون سچ مچ ایسا ہی ہے، اس میں جس قدر غور کیجئے نکھرتا ہی جائے گا، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ آخری قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی کا کوئی یقین نہیں، اور جس کا منشا ہی ہے دنیا میں امن وامان قائم کرنا، کھوئے ہوئے سکون کو واپس لانا، اور منتشر انسانی آبادی کو ایک لڑی میں پرونا،

اسلامی اور انسانی قوانین میں تفاوت

اسلامی اور انسانی قوانین میں کتنا عظیم الشان فرق ہے، اور نتائج کے اعتبار سے دونوں میں کس قدر تفاوت ہے اس کا اندازہ اس برٹش لا سے لگائیے، جو دنیا کی ایک بڑی مہذب، شائستہ اور تعلیم یافتہ قوم کی دماغی اُپج اور تجربہ کا نتیجہ ہے اور جسے ہندوستان میں انھوں نے رائج کیا تھا، اور جو اب تک کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔

اسلامی قانون

قتلِ عمد کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کا ابدی قانون یہ ہے کہ خون کا بدلہ خون ہے جو ولیِ مقتول اپنے ہاتھ سے کرے گا، یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا، لیکن ساتھ ہی ولیِ مقتول اس سزا کے نفاذ کرنے پر مجبور نہیں ہیں، بلکہ ان کو اختیار ہے کہ قاتل کو قتل کر ڈالیں، یا اپنی خوشی سے قتل کے عوض دیت (مالی عوض) لیکر جان بخشی کر دیں، یا بالکل معاف کر دیں، یعنی نہ قاتل کو قتل کریں اور نہ دیت قبول کریں، یہ الگ بات ہے کہ اسلام میں قصاص کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ آئندہ اس کا مکمل انسداد ہو سکے۔

قتلِ خطا کے سلسلہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ قاتل ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرے اور مزید یہ کہ وہ اور اس کے اہلِ خاندان مل کر دیت ادا کریں، یعنی سو اونٹ، یا ایک ہزار اشرفی، یا دس ہزار درہم تفصیل اوپر گذر چکی،

انسانی قانون

برٹش لا قتلِ عمد کے سلسلہ میں یہ ہے۔

"جو کوئی شخص قتلِ عمد کا مرتکب ہو، اس کو سزائے موت، یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دیجائیگی

...... جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا" (مجموعہ تعزیرات ہند دفعہ ۳۰۲)

قتل خطا کی سزا برٹش لا میں یہ بیان کی گئی ہے

"جو کوئی ایسے قتل انسانی کا مرتکب ہو، جو قتلِ عمد کی حد کو نہ پہنچا ہو، تو اس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی، یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا" (دفعہ ۳۰۴)

انسانی قانون کی خامیاں | یہ دونوں سزائیں ایک اسلامی (خداوندی) دوسری انسانی دگرگوں ہیں، آپ کے سامنے ہیں غور سے پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ قتل کی سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وارثانِ مقتول کا آدمی ضائع ہوا ہے، جس سے اس کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے کہ جس کی تلافی بظاہر نہیں ہو سکتی ہے، پھر اس کی وجہ سے قدرتی طور پر ان کے دلوں میں انتقام کے جذبات پرورش پاتے ہیں، دوسری طرف ملک کے امن وامان میں اس سے خلل واقع ہوا ہے جس کی وجہ سے بدامنی کے پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، سزا کے عمل میں لانے سے ایک طرف وارثانِ مقتول کی دلدہی ہوتی ہے اور ان کے انتقامی جذبات کا قلع قمع ہوتا ہے، ساتھ ہی امن وامان کو مدد ملتی ہے اور ملک کا فائدہ ہوتا ہے، مگر یہ کھلی حقیقت ہے کہ ملک کا نقصان اس لئے ہے کہ ملک کی ایک قیمتی جان ضائع ہوتی ہے، یعنی ملک کا نقصان وارثانِ مقتول ہی کے واسطے سے ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ماننا پڑے گا، کہ اسلامی قانون ہی افضل و اکمل ہے، کہ اس میں وارثانِ مقتول کی دلدہی کا پورا لحاظ و پاس ہے، ان کو اختیار دیا گیا ہے، قاتل کو قتل کر کے اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں یا اپنی مصلحت کے پیش نظر عوض مقتول لے کر چھوڑ دیں۔

وارثانِ مقتول کو نظر انداز کر دینا | انسانی قانون میں ان امور کا بالکل لحاظ نہیں ہے، ایک تو فیصلہ وارثانِ مقتول کی رائے پر نہیں ہے بلکہ حکومت کے اختیار میں ہے، کہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد موت کی سزا دے یا حبس دوام کی، وارثانِ مقتول کی دلدہی کا کوئی لحاظ نہیں ہے، ایک تو آدمی کی تسکین اس کو خود مختار بنا دینے سے جو ہوتی ہے وہ مجبوری کے عالم میں چھوڑ دینے سے نہیں ہوتی، دوسرے قتل کی سزا انتقام قتل ہی سے ہو سکتی

بس دوام سے نہیں تیسری چیز یہ کہ وارثانِ مقتول کی مرضی کا لحاظ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کبھی وہ عجیب مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے، مثلاً ایک بوڑھے باپ یا کسی بیکس بیوہ کے دو بیٹے لڑ پڑے، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، تو ایک لڑائی میں گیا، دوسرے کو حکومت نے پھانسی پر لٹکا دیا، یہ اس کی حمایت ہوئی اور اس کے جذبات کا پاس ہوا، یا اس کی بے کسی میں اضافہ ہوا اور اس کے رہے سہے سہارے کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون میں یہ عیب نہیں ہے، اس میں بڑی لچک ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ بعض لوگ اپنی سادہ لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ عوضِ مالی ایسی سزا ہے کہ مالدار آدمی جس کا چاہیں گے خون کراتے پھریں گے، اور دیت دے کر چھوٹ جائیں گے، لیکن یہ سمجھنا سراسر غلط ہے، یہ سوال اس وقت البتہ درست ہو سکتا ہے کہ دیت دیکر چھوٹ جانا قاتل کے اختیار میں رکھا جاتا، اگر یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ سارا اختیار وارثانِ مقتول کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے لہذا یہ سوال ہی غلط ہے۔

یہی نقص قتلِ خطا کی سزا میں بھی ہے کہ برٹش لا میں اس پہلو کا بالکل لحاظ نہیں ہے، کہ قاتل کے قصد و ارادہ کو بالکل دخل نہیں ہے، اور حبس دوام کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ ایک تو مقتول کے وارث کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا جس سے اس کی اشک شوئی ہوتی، دوسرے قاتلِ خطا کے بچوں کا سہارا جاتا رہا، بخلاف اس کے اسلامی قانون میں دونوں پہلو کی رعایت ہے کہ وارثانِ مقتول کی معقول امداد بھی ہو گئی، فتنہ و فساد کا دروازہ بھی بند ہو گیا، اور قاتلِ خطا چونکہ بے قصور ہے اس لئے اس کے بال بچوں کا سہارا بھی قائم رہا۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ کھٹکے کہ کوئی ایسی غلطی اور خطا کا عادی ہو جائے گا تو اس سے ملک و قوم کا بیحد نقصان ہوگا، اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اسلامی قانون میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ جو اس جرم کا تکرار کرے گا، حکومت وقت اس کو قتل کرا سکتی ہے۔

جسمانی نقصان پہنچانے کی سزا یہی فرق انسانی اعضاء کے نقصان کی جو سزائیں رکھی گئی ہیں ان میں بھی ہے، اسلامی قانون کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ اسلامی قانون میں قتل کی طرح کا حکم ہے یعنی مظلوم و مجروح کو اختیار ہے کہ وہ ظالم و جارح سے اسی کے مثل بدلہ لے یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ

چاہیے ناک کے بدلے ناک تراش لے، کان کے بدلے میں کان کتر دے، اور دانت کے بدلے دانت توڑ دے، غرضیکہ جس قسم کی بھی تکلیف پہنچی ہے ظالم کو پہنچا سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مالی عوض بھی قبول کر سکتا ہے، جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے، اور یہ عوضِ مالی بھی بہت معقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں انسانی قانون (برٹش لاء) کی خامیوں کا اندازہ لگائیں، قانون یہ ہے

"جو کوئی شخص بلا اشتعال دینے کسی دوسرے شخص کے بالارادہ ضرر پہنچائے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد ایک برس تک ہو سکتی ہے، یا جرمانے کی سزا جس کی مقدار مبلغ ایک ہزار روپیہ تک ہو سکتی ہے، یا دونوں قسم کی سزائیں دی جائیں گی"

(دفعہ ۳۲۳)

خامیاں ہی خامیاں اس دفعہ کی خامیوں کا اسلامی قانون کے مقابلہ میں اندازہ لگایا جائے، کہ یہاں بھی وہی نقص ہے کہ مظلوم کو کوئی اختیار نہیں ہے، حالانکہ نقصان مظلوم کا ہوا ہے جب تک اس کو اس باب میں اختیار نہیں دیا جائے، نفسیاتی طور پر اس کی تسکین جیسا چاہیے نہیں ہو سکتی، پھر یہاں اس کا قطعاً اختیار نہیں ہے بلکہ قانون میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ قصاص کی صورت سے دانت کے بدلے میں دانت توڑ سکے، آنکھ کے بدلے میں آنکھ پھوڑ سکے یا اس کے جس عضو کو تکلیف پہنچائی ہے، وہی پہنچا سکے، صرف قید کی سزا ہے یا جرمانے کی، حالانکہ جرموں کو روکنے میں قصاص جتنا کام کر سکتا ہے، کوئی چیز کام نہیں کر سکتی، ظالم کی حوصلہ شکنی کا نفسیاتی طریقہ وہی ہے، جس کی گنجائش اسلامی قانون میں ہے، ایک آدمی کسی کی آنکھ پھوڑ کر خوش ہو سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہیں قید یا جرمانے کی سزا ہوگی، مظلوم کی ہمیشہ کے لئے آنکھ گئی، مگر جب ظالم کو معلوم ہوگا کہ آنکھ کے بدلہ میں اس کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی، تو پھر اس کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس طرح کا جرم کر سکے، اس وقت اور بھی کہ سزا کا معاملہ مظلوم کے اختیار میں ہوگا۔

پھر مظلوم کی حمایت کا تقاضا تھا کہ اس کو اختیار دیا جاتا، اور مالی معاوضہ اسی کو ملتا، نہ کہ حکومت وقت کے اختیار میں ہو، اور مالی معاوضہ اس کے خزانہ میں داخل کیا جائے، سوچیے تو سہی کہ ظالم کے قید میں ڈال دیے جانے سے مظلوم کو کیا فائدہ ہوگا۔

انسانی قانون میں مجوزہ سزا | پھر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ قید و جرمانہ کی حد اور مقدار متعین نہیں کی گئی ہے بلکہ اسے عدالت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ حاکم مختلف مزاج کا ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ تو امن و امان کی بحالی میں اس قانون سے حسب دلخواہ مدد پہنچ سکتی ہے، اور نہ مظلوم کی حفاظت ہوگی جیسا چاہیے تھا۔

اس وقت میں نے صرف ایک قسم کے انسانی قانون کو پیش کیا ہے، جتنے انسانی قوانین ہوں گے خواہ کسی ملک کے ہوں ان میں اسی طرح کے بے انتہا نقائص ہوں گے۔

درمیان میں انسانی قانون کی خامیوں کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بحث آگئی، ورنہ بحث یہ ہو رہی تھی کہ اسلام نے انسانی اعضاء کی حفاظت کا بھی بہت ہی محکم اصول وضع کیا ہے، اور اس طرح امن و امان کے دشمنوں پر کڑی نگرانی قائم کی ہے۔

بہرحال جن اعضاء انسانی میں مماثلت ممکن ہے، اس میں قصاص ہے یا دیت، اور جن اعضاء انسانی کو اس طرح تکلیف پہنچائی جائے کہ برابر بدلہ لیا جانا ممکن نہ ہو، بلکہ زیادتی کا اندیشہ ہو، اس کی سزا میں صرف دیت ہے اور بعض صورتوں میں حکومت عدل۔

اعضاء انسانی کو نقصان پہنچانے کے سلسلہ کی حدیثیں | تفصیل سے میں نے قصداً گریز کیا ہے، کتب فقہ میں پوری تفصیل موجود ہے، اور اگر زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ کبھی ضروری تفصیل پیش کی جائے گی، اس وقت چند احادیث پیش کر کے اس بحث کو ختم کر دینا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ وہ آنکھ جسے کسی نے نقصان پہنچایا، جس سے اس کی روشنی جاتی رہی مگر اپنی جگہ وہ بدستور قائم رہی، تو اس کی دیت سو دینار ہے[٥]۔

ابن المسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے چہرہ میں دو دو اونٹ کا فیصلہ کیا، اور حضرت معاذؓ نے پانچ اونٹ دیت میں عائد کیے[٩]

حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے۔

قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کانی آنکھ

لہ تیسیر الوصول ص ۱۳۹ الی مالک تعلیقاً۔

في العين العوراء السادة لمكانها اذا طمست بثلث ديتها وفي اليد الشلاء اذا قطعت بثلث ديتها وفي السن السوداء اذا نزعت بثلث ديتها۔

میں جو اپنی جگہ قائم ہے جب اسے پھوڑ دیا جائے اور اس ہاتھ میں جو کاٹ دیا جائے اور اس کالے دانت میں جس کو گرا دیا جائے تہائی دیت کا فیصلہ کیا۔

(تیسیر الوصول ص۱۰)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک نے دوسرے کو پتھر اٹھا کر دے مارا جس سے وہ مر گئی اور اس کے ساتھ اس کے پیٹ کا بچہ بھی، جب یہ مقدمہ دربار نبوی میں پیش ہوا، تو آپ نے عورت کی دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین (پیٹ کا بچہ) کی دیت میں فرمایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔[1]

کتب حدیث میں اس طرح کے بے شمار واقعات اور اس کی سزائیں منقول ہیں، یہاں تمام کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے۔ بقدر ضرورت بحث پیش کر دی گئی۔

چند جزئیات

اگر کوئی جانوروں کا جھنڈ لے چلے اور اس کی وجہ سے کوئی آدمی روندا جائے اس کی ضمان کھینچنے والے اور پیچھے سے ہانکنے والے پر عائد ہوگی۔

اگر کوئی کسی کو قتل پر مجبور کرے، اور وہ قتل کر ڈالے، تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دباؤ ڈالا اور حکم دہندہ کے درجہ میں ہے اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[2]

اگر کوئی کسی کو کوڑا، لات، یا طمانچہ مارے اور وہ مر جائے، تو اس پر دیت واجب ہوگی قصاص عائد نہ ہوگا۔[3]

گویا یہ صورت قتل خطا یعنی شبہ عمد میں داخل ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من تطبب ولم يعلم منه طب فهو ضامن رواه ابوداؤد والنسائی

جو شخص بہ تکلف طبیب بن جائے حالانکہ اسے طب کا علم نہیں آتا وہ ضامن ہے

(مشکوٰۃ باب الدیۃ)

---

[1] تیسیر الوصول ج۴ عن الستہ [2] ہدایہ کتاب الجنایات [3] ایضاً۔

ان جزئیات پر نگاہ رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام کی جو سعی بلیغ کی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے، اور اس طرح امن و امان کی فضا جس طرح پیدا کی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

ایسا مقتول جس کے قاتل کا پتہ نہ ہو

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مقتول خون میں لتھڑا ہوا ملتا ہے، یا ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس کی صورت گواہی دیتی ہے کہ کسی انسان نے اسے جان سے مار کر پھینک ڈالا ہے، مگر اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا ہے، اگر یہ لاش سالم ہے، یا نصف سے زیادہ ہے اور وہ آبادی میں یا آبادی سے اتنی دوری پر ملی ہے کہ اگر زور سے آدمی چیخے تو اس کی آواز یہاں تک پہنچ سکتی ہے تو اسلام ایسی انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کی ذمہ داری اس آبادی پر ڈالتا ہے، اور وہاں کے باشندوں کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں، تاکہ اس طرح کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مقتول کے وارثان کے مطالبہ پر حکومت واقعات کی تحقیق کرے گی، اگر قاتل کا پتہ چل گیا، تب تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اس طرح سے کہ ان میں سے ہر ایک قسم کھائے گا، کہ "خدا کی قسم میں نے اس کو نہ قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے" اور ان پچاس آدمیوں کا انتخاب ولیِ مقتول کرے گا، اگر یہ پچاسوں آدمی قسم کھا چکیں گے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں "قسامت" سے تعبیر کرتے ہیں، فقہاء لکھتے ہیں:-

هی فی الشریعة ایمان یقسم بها اهل محلة او دار او موضع خارج من مصر او قریة قریب منه بحیث یسمع الصوت منه اذا وجد فی الشیء منها قتیل به اثر اً یعلم من قتله یقول کل واحد باﷲ ماقتلت ولا علمت له قاتلا۔

(فتح القدیر جلد ۹ ص ۲۴۳)

وہ (قسامت) ایسی قسمیں ہیں جو اہل محلہ یا اہل دار، یا مصر سے خارج والوں اور یا آبادی کے ایسے باشندوں سے لی جاتی ہیں جو اس قدر قریب ہیں کہ اگر وہ چیخے تو اس کی آواز سنی جا سکتی ہے، یہ اس صورت میں کہ ان جگہوں میں سے کہیں کوئی ایسا مقتول پایا جائے جس پر قتل کے نشانات ہوں اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو سکا ہو ...

قسامت مقتول کی صورت میں سزا

کتبِ حدیث میں "باب القسامۃ" کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے، اور اس میں اس باب سے متعلق ساری حدیثیں جمع کی گئی ہیں عبداللہ بن عباسؓ کا بیان حدیث میں مذکور ہے کہ قسامت کا یہ طریقہ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔[1] اور پھر حدیث میں ایک انصاری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقی رکھا،

وعن رجل من الانصار ان رسول اللّٰہ	ایک انصاری سے روایت ہے کہ رسول خدا
صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقر القسامۃ	صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کو اس طریقہ
علی ما کانت فی الجاھلیۃ وقضی بھا	پر برقرار رکھا جو جاہلیت میں تھا، اور اسی
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کے
بین ناس من الانصار فی قتیل ادعوہ	متعلق فیصلہ کیا جس کا انھوں نے یہود پر
علی الیھود رواہ مسلم (بلوغ المرام)	دعویٰ کیا۔

عہدِ نبوی کا واقعہ

عہدِ نبوی کا واقعہ مذکور ہے کہ عبداللہ بن سہلؓ اور محیصہ بن مسعودؓ خیبر آئے یہاں آکر نخلستان میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، عبداللہ بن سہلؓ کو کسی نے قتل کر ڈالا جب یہ مقدمہ خدمتِ نبوی میں پیش ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ قسم کھاؤ، ورنہ پھر یہودِ خیبر سے قسم لو، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں اور یہود سے قسم لینے کا کیا فائدہ، کہ یہ کافر ہیں چنانچہ اس کی دیت خود آپ نے ادا کی، تاکہ خون رائگاں نہ جائے، اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت میں ہے، ایک انصاری خیبر میں مقتول پائے گئے، یہ کیس جب آپ کی خدمت میں آیا، تو آپ نے فرمایا کہ دو گواہ ایسے ہیں؟ جو قاتل کے باب میں شہادت پیش کریں، اولیاء مقتول نے جواب دیا،

قالوا یا رسول اللّٰہ لم یکن ثم احد	یا رسول اللہ! وہاں کوئی مسلمان نہ تھا، اور
من المسلمین وانما ھو یھود وقد	وہ یہود ہیں اس سے بڑی بات کی بھی جرأت
یجترؤن علی اعظم من ھذا۔	رکھتے ہیں۔

[1] دیکھئے جمع الفوائد ج۱ ص۲۸۳ و تیسیر الوصول ص۳۹۵۔

یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاختاروا منھم خمسین فاستحلفوھم (مشکوٰۃ)	ان میں سے پچاس کو منتخب کر کے ان سے حلف اٹھواؤ۔

ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ آپ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی،

جس آبادی میں زخمی لاش پائی گئی | اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور دیت دونوں کا فیصلہ کیا، چونکہ یہود کی قسم پر اعتماد نہیں تھا، اس لئے اولیاء مقتول نے اس کا کوئی فائدہ نہیں سمجھا، دوسری روایتوں میں اس کی بھی صراحت ہے کہ دیت کا بھی اس آبادی کے باشندوں پر فیصلہ کیا،

ابن المسیب راوی ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی ابتدا
بدأ بالیھود فی القسامۃ وجعل الدیۃ	یہود سے فرمائی اور ان میں مقتول پائے جانے کی
علیھم لوجود القتیل بین اظھرھم	وجہ سے ان پر دیت عائد کی۔

(تکملۃ فتح القدیر کشوری ص ۴۸ ج ۴)

قسم اور دیت کا ثبوت | اسی طرح عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو لکھا، یہ مقتول تم میں پایا گیا ہے کیا صورت اختیار کی جائے؟ انہوں نے لکھا کہ اس طرح کا واقعہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اس سلسلہ میں حکم نازل فرمایا تھا، اگر آپ بھی نبی ہیں تو پروردگار عالم سے درخواست کیجئے، اس کے جواب میں آپ نے ان کو لکھا

ان اللہ تعالیٰ اراني ان اختار منکم	اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تم میں سے
خمسین رجلا فیحلفون باللہ ما قتلنا	پچاس آدمیوں کو چن لوں جو اللہ کی قسم کھائیں
ولا علمنا لہ قاتلا، ثم یغرمون	کہ نہ ہم نے قتل کیا اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں
الدیۃ قالوا لقد قضیت فینا	اور اس کے بعد دیت بھی ادا کریں انہوں نے کہا
بالناموس ان یا (؟)	کہ آپ نے ہمارے بارے میں وہی فیصلہ کیا

فی الکافی والبدائع وغیرہما — یا شہر اپنے ہم میں دیت کے ذمہ دار ہوں گے

(تکملہ فتح القدیر جلد ۹ ص ۳۷۶)

مسئلہ قسامت کے فوائد | مسئلہ قسامت کا فائدہ یہ ہے کہ قتل اور خونریزی کو لوگ ہلکا نہ سمجھیں، اور خون مفت میں ضائع نہ ہونے پائے، ساتھ ہی جس پر خون کی تہمت لگی ہے، وہ قصاص سے بھی الگ ہو جائے۔

والحكمة فيها تعظيم الدماء وصيانتها عن الإهدار وخلاص المتهم بالقتل عن القصاص (عینی شرح ہدایہ ۵ ص ۵۵۵)

اس میں حکمت یہ ہے کہ خون کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور وہ رائگاں ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی جو قتل کے ساتھ متہم ہے وہ بچ جاتا ہے

مسئلہ پر اتفاق | اسی وجہ سے اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے، تفصیل میں البتہ تھوڑا اختلاف ہے حدیث قسامت نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی لکھتے ہیں

فيه دليل على مشروعية القسامة مطلقًا ذهب جمهور الصحابة والتابعين والعلماء من الحجاز والشام والكوفة … ولم يخالف هؤلاء في الجملة إنما اختلفوا في التفاصيل (نیل الاوطار جلد ۶ ص ۳۱۳)

اس حدیث میں قسامت کی مشروعیت پر دلیل ہے اور اسی طرف جمہور صحابہ اور تابعین اور شام، کوفہ اور حجاز کے علماء گئے ہیں اور ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔

اہل قریہ کی ذمہ داری | قسامت یعنی کسی مقتول کے پائے جانے پر محلہ یا آبادی والے سے قسم لینا، اور پھر اس پر دیت عائد کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اہل محلہ اور اہل قریہ پر جان کی حفاظت ضروری ہے، اور اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو اس کو بچانا اور اس کی امداد کرنا ان لوگوں کا دینی فریضہ ہے تاکہ پھر اس طرح کا کوئی فتنہ پیدا نہ ہونے پائے۔

قسامت کے وجوب کی وجہ | قسامت میں جو الفاظ کہلوائے جاتے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ قاتل کو اگر کوئی جانتا ہو تو اس کی حمایت میں آکر اس کو چھپانے کی سعی نہ کرے، بلکہ اس کو علی الاعلان ظاہر کرے تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا پائے اور دوسرے لوگ اس تہمت سے محفوظ ہو جائیں۔

فاوجب القسامة عليهم رجاء ان يظهر القاتل بهذا الطريق ... ثم على كل اهل محلة حفظ محلتهم عن مثل هذه الفتنة لان التدبير في محلتهم اليهم فانما هذه الحادثة وقعت لتفريط كان منهم في الحفظ حين تغافلوا عن الاخذ على ايدي السفهاء منهم او من غيرهم فاوجب الشرع القسامة والدية عليهم لذالك ـ

اور ان پر قسامت اس امید پر واجب کی گئی کہ اس طرح قاتل ظاہر ہو جائے پھر یہ کہ تمام اہل محلہ پر اس طرح کے فتنوں سے اپنے محلہ کی حفاظت ضروری ہے اس لئے کہ اپنے محلہ کی تدبیر کی ذمہ داری انہی لوگوں پر ہے اور اس طرح کا حادثہ اس لئے پیش آیا کہ ان کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی ہوئی اور انہوں نے اپنے بیوقوفوں یا دوسرے ایسے مجرموں کا ہاتھ نہیں پکڑا، لہذا شریعت نے اسی وجہ سے ان پر قسامت اور دیت دونوں واجب کر دیں۔

(مبسوط جلد ۲۶ ص ۱۰۸)

اس مسئلہ کی اسی اہمیت اور اس کے گوناگوں فوائد کے پیش نظر قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

حديث القسامة اصل من اصول الشرع وقاعدة من احكام الدين وركن من اركان مصالح العباد (مرقاة جلد ۲ ص ...)

حدیث قسامت اصول شرع میں ایک اصل اور احکام دین میں ایک مستحکم قاعدہ ہے اور ساتھ ہی بندوں کے فائدے کے ارکان میں ایک قائدہ ہے۔

اسلامی قانون کا نتیجہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام اور امن وامان کے قیام کے لئے کس قدر مستحکم قانون نافذ کیا ہے، کیا اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد بھی کوئی اس طرح کا واقعہ پیش آسکتا ہے جس سے ملک کا امن وامان ختم ہو جائے طاقتور کمزور کو کچل ڈالیں اور کوئی پارٹی فتنہ وفساد اور خون ریزی کو ہوا دے سکے آپ یقین کریں ہرگز ایسی بات نہیں ہو سکتی ہے جب خون کسی حال میں اسلام ضائع نہیں ہونے دیتا، اس کا تاوان کسی نہ کسی پر بہرحال عائد کرتا ہے، قسامت کو ہی چاہے اجتماعی جرمانہ قرار دے لیجئے پھر جب اس کی سختی کا اہتمام حکومت کی جانب سے ہوتی رہے اور قاتل کو چھپانے کی صورت میں قسم لی جائے اور پھر دیت بھی وصول کی جائے اس کے بعد کس کی مجال ہے کہ غفلت کی زندگی گذارے اور امن کے خلاف کوئی بات ہونے دے

دریا میں مردہ — اگر کسی کشتی یا جہاز پر اس طرح کی کوئی لاش پائی جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو یہاں قسامت کشتی یا جہاز والوں پر عائد ہوگی یعنی جو لوگ اس کے اندر تھے خواہ وہ سوار ہوں، ملاح ہوں، یا عملہ، اگر جامع مسجد اور شارع عام پر اس طرح کی لاش پائی جائے تو چونکہ اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے اس لئے حکومت بیت المال سے دیت ادا کرے گی۔ اسی طرح قید خانہ (جیل) میں پائی جائے تو بھی حکومت کے خزانہ سے دیت ادا کی جائے گی کہ اس کی نگرانی بھی حکومت کے ذمہ ہے۔ (ہدایہ باب القسامۃ)

دو آبادی کے درمیان زخمی لاش کا حکم — اگر دو آبادیوں کے درمیان کوئی ایسی زخمی لاش پائی جائے، اور قاتل کا علم نہ ہو سکے، تو ان دونوں آبادیوں میں جو آبادی قریب پڑے اس پر قسامت کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

حضرت ابو سعیدؓ کا بیان ہے۔

وجد قتيل بين قريتين فامر النبي صلى الله عليه وسلم فذرع ما بين القريتين الى ايهما كان اقرب فوجد اقرب الى احدهما بشبر فكانى انظر الى شبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعله على الذي كان اقرب۔ لاحمد (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

ایک مقتول دو آبادیوں کے درمیان پایا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ دونوں کو ناپا جائے، کہ ان میں سے کس سے قریب ہے چنانچہ ان میں سے ایک آبادی بالشت بھر قریب پڑی، راوی کا بیان ہے کہ گویا میں آپ کی بالشت کو ابھی دیکھ رہا ہوں، پھر قریب تر آبادی پر اس کی ذمہ داری عائد کی۔

کتب فقہ میں یہ مسئلہ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کی حفاظت کس کس طرح کی ہے، اور ملک میں امن و امان کی اس کی نظر میں کتنی قدر و قیمت ہے۔

اس دور میں جب دنیا میں سب سے ارزاں انسانی خون ہی ہے، اور سب سے بے وقعت انسان ہی ہے اسلام کے ان قوانین کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کاش ارباب اقتدار اپنے اپنے ملکوں میں ان قوانین کو نافذ کر کے ملک کو سکون کی دولت سے نوازنے کی سعی کرتے اور انسان کی جان کی قدر و قیمت پہچانتے اور تجربہ کے طور پر اسلام کے ان عالمگیر اور ابدی قوانین پر غور کرتے۔

ہم اس دور میں غفلت کرنے میں اس مسئلہ کو جو [illegible] نافذ ہیں، [illegible] حضرت کو علم ہو وہ مسئلہ کو عمل فرمائیں۔